اسلامی ریاست میں عوام کو نظم وضبط کا پابند رکھنے کے طریقے
(تعلیماتِ نبویؐ کی روشنی میں)

ثمینہ سعدیہ *

اللہ نے اس کائنات کے نظام کو توازن، توافق اور اعتدال سے بنایا اور ساتھ ہی انسان کی قوتِ مشاہدہ کو دعوت دی کہ وہ اپنی سمع وبصر کی صلاحیتوں سے کام لے کر اس کائنات کے نظام کا مشاہدہ کرے جس میں ہر شے ایک قانون اور نظم کے تحت ارتقا پذیر ہے۔ اس نظامِ عالم میں تسلسل، روانی اور یکسانیت ہے۔ شمس وقمر کا طلوع وغروب ہو یا لیل ونہار کی گردش ہو، ہواؤں اور بارشوں کا نظام ہو یا موسموں کا تغیّر وانقلاب ہو ہر دائرہ وجود میں اللہ عزّ وجل کے اٹل قوانین کام کر رہے ہیں۔ تخلیقِ کائنات سے لے کر آج تک ان قوانین میں کبھی کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔ نظامِ کائنات کی یہ وحدت اور یکسانیت درحقیقت اس بات کی عکاسی کر رہی ہے کہ اگر ایک سے زیادہ اس کے مالک ومنتظم ہوتے تو ان کے باہمی اختلاف کی وجہ سے نظامِ کائنات میں فساد برپا ہو جاتا۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۔(۱)

''اگر آسمان وزمین میں اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہوتا تو دونوں کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔

پاکستان میں نظم وضبط کی صورتحال۔ ایک جائزہ

پاکستان کے آئین میں اس ملک کو اسلامی جمہوریہ پاکستان کا نام دیا گیا ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ اصل حاکمیتِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے دیئے ہوئے قانون کو بالاتر حیثیت حاصل ہوگی۔ تحریکِ پاکستان میں بھی اسلام کو اس جدوجہد کی منزل اور قرآن، اسوۂ رسول اور شریعتِ اسلامیہ کی بالادستی کے قیام کو پاکستان کا مشن قرار دیا گیا تھا۔

کراچی میں ۱۹۴۳ء میں مسلم لیگ کے سالانہ جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا تھا:۔ ''وہ کون سی چٹان ہے جس پر ملّت کی عمارت قائم ہے اور وہ کون سا لنگر ہے جو سفینہ ملّی کو تھامے ہوئے ہے۔ مسلم انڈیا کے سفینہء ملی کا مستحکم لنگر عظیم المرتبت کتاب قرآن مجید ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جیسے جیسے ہم آگے بڑھتے جائیں گے ویسے ہماری یہ وحدت بھی بڑھتی جائے گی۔ ایک خدا، ایک کتاب، ایک رسول، ایک قبلہ اور ایک قوم۔''(۲)

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، شیخ زاید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، پاکستان۔

قائداعظمؒ ایک منظّم اور باکردار قوم کے خواہاں تھے۔جس کا اظہار انہوں نے کئی ایک مواقع پر کیا۔۱۳نومبر ۱۹۳۹ کو عیدالفطر کے موقع پر فرمایا۔''ہم میں سے ہر ایک شخص خود کو نظم وضبط کا پابند بنا کر اپنے ملک کی خدمت کرسکتا ہے اور نظم وضبط ہی اس مقدس مہینے کا ماحصل ہے۔''(۳) ۲۳مارچ ۱۹۴۴ کو ایک تقریر میں فرمایا۔''ہمیں اپنے عوام کو ایک نہایت منظّم اور مضبوط قوم کی شکل میں ڈھالنا ہوگا۔''(۴) ۲۲مارچ ۱۹۴۵ یومِ پاکستان کی تقریب پر ایک پیغام میں فرمایا:۔''ہمارے استحکام، اتحاد اور نظم وضبط میں ہی ہماری طاقت اور قوت پنہاں ہے۔اور یہی ہماری پشتِ پناہ ہے جو ہماری جدوجہد کو کامیابی سے ہمکنار کرے گی۔''(۵)

> ۸ستمبر ۱۹۴۵ کو کراچی میں مسلمانانِ ہند کے نام عید کے پیغام میں فرمایا:۔''ہم ایک منظّم اور نظم وضبط کی پابند قوم ہیں۔''(۶)
>
> ۱۲اپریل ۱۹۴۸ کو اسلامیہ کالج پشاور کے طلبا سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:''جو فرائض آپ سے متوقع ہیں، وہ یہ ہیں۔نظم وضبط، کردار سازی، آغازِ کار۔''(۷)

قائدِ اعظم کے فرمودات کی روشنی میں یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ پاکستان محض ایک ملک اور خطہء زمین کا نام نہیں۔یہ ایک تصوّر اور نظریے سے عبارت ہے جس کی شناخت اس کا اسلامی، جمہوری اور فلاحی کردار ہے۔لیکن قیام پاکستان کے چند سالوں بعد ہی بعض مفاد پرست سیاستدانوں، سرمایہ داروں اور وڈیروں نے قومی وسائل کو ذاتی اور گروہی مقاصد کے لیے استعمال کیا۔حکمرانوں کی ملک کی آزادی وخودمختاری سے غفلت ، اسلامی شریعت سے لاپرواہی، عوام النّاس کے مفاد اور ضروریات سے عدم دلچسپی سے ملک گمبھیر مسائل میں گھرتا چلا گیا۔اکثر حکمرانوں نے مشاورت اور فیصلہ سازی کے جمہوری طریقے کو اختیار کرنے کی بجائے شخصی حکمرانی اور ذاتی وفاداریوں کی بنیاد پر کاروبارِ حکومت کو چلانے کو ترجیح دی۔مسلسل غلط حکمتِ عملی اور بے تدبیری کے نتیجے میں آج پاکستان درج ذیل بڑے مسائل اور بحرانوں میں گھرا ہوا ہے۔

اس وقت ملک میں گزشتہ کئی سالوں سے توانائی کا شدید بحران ہے۔لوڈشیڈنگ نے عام آدمی کی زندگی میں بے چینی واضطراب کی کیفیت پیدا کردی ہے۔بجلی گیس اور صاف پانی عوام النّاس کی بنیادی ضروریات میں شامل ہیں۔لیکن ان تینوں چیزوں کی اس وقت ملک میں شدید قلّت ہے۔ توانائی کے بحران کا لازمی نتیجہ معیشت کا بحران ہے۔گو موجودہ حکومت بے روزگاری اور مہنگائی کے عفریت کو قابو کرنے کی کوشش میں ہے، لیکن پھر بھی اس کے لیے ایک مؤثر حکمتِ عملی اپنانے کی ضرورت ہے۔

تیسرا بڑا بنیادی مسئلہ کرپشن کا ہے جو کہ فساد فی الارض کی ایک شکل ہے۔چھوٹی سطح سے لے کر بڑی سطح

تک ہر شخص نے ملک کے وسائل اور دولت کو بے دردی سے لوٹا ہے۔ صرف بجلی چوری اور ٹیکس چوری سے ہی ملک کو اربوں کا نقصان ہوتا ہے۔ کرپشن کی ایک شکل میرٹ کا خون ہے۔ ہر حکومت سیاسی اور شخصی مقاصد کے لیے نااہل لوگوں کو ذمہ داری کے مناصب پر لگادیتی ہے۔

چوتھا بڑا مسئلہ ملک میں پھیلنے والی عصبیت، فرقہ واریت اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی اشتعال انگیزی اور عدم برداشت ہے۔ جس کے سبب سے عوام النّاس باہم ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہورہے ہیں۔

پانچواں انتہائی گمبھیر مسئلہ ہمہ گیر اخلاقی انحطاط ہے۔ کم سن بچوں، بچیوں اور خواتین کے ساتھ غیر اخلاقی اور ناروا سلوک کیا جارہا ہے۔ ان کی عزت وآبرو کو پامال کیا جارہا ہے۔ دوسری طرف دھرنوں، گھیراؤ جلاؤ اور توڑ پھوڑ کے طریقوں نے حکومتی اداروں کو بے بس کردیا ہے۔ سیاسی جلسوں میں نظم وضبط کا فقدان، قوم کے عمومی مزاج اور ذہنیت کی عکاسی کرتا ہے۔ صحافی عامر جمیل کے مطابق: ''یہ بات مشاہدے میں آئی ہے کہ بعض جلسے نظم وضبط کے فقدان کا مظہر ہوتے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ سیاسی تربیت کی کمی ہے۔ تبدیلی کے لیے سیاسی کارکن کی سیاسی واخلاقی تربیت لازمی ہے اور یہی وہ اصول ہے جس کی بنیاد پر مہذب اقوام نے اپنے آپ کو ترقی یافتہ اقوام کی صف میں لاکھڑا کیا ہے۔ اگر ہم چند ہزار نفوس پر مشتمل جلسے، تقاریب اور افطار وطعام کی محفلوں کو منظّم انداز میں نہیں چلا سکتے تو ہم ملک چلانے کے دعویدار کیوں ہیں؟ یہیں سے ایک پہلو ہمارے سامنے اس طرح سے بھی آتا ہے کہ آخر ہماری زندگیوں میں تحمل اور نظم وضبط کا فقدان کیوں ہے۔ اس کی بنیادی وجہ قیادت کا اپنے کارکنان کی طرف توجہ کا نہ ہونا بھی ہے۔''(۸)

پاکستانی عوام میں بدنظمی اور عدم برداشت کا یہ رویہ حج اور عمرہ کے موقع پر بھی دیکھنے میں آتا ہے۔ بقول ڈاکٹر صفدر محمود۔ ''میں نے اپنی گناہ گار آنکھوں سے حج اور عمروں کے دوران پاکستانیوں کو ذرا ذرا سی باتوں پر الجھتے، جھگڑتے اور لڑائی کرتے دیکھا ہے۔ بلکہ حرم شریف میں جگہ لینے کے لیے ایک دوسرے سے دست وگریبان ہوتے دیکھا ہے۔ حج صبر، نظم وضبط، برداشت، ایثار، نفس کشی، استقامت اور دین اسلام کی سچی پیروی کا سبق دیتا ہے، جبکہ پاکستانی حاجی حج کے دوران بھی عام طور پر حسنِ اخلاق سے محروم نظر آتے ہیں۔''(۹)

چھٹا سب سے بڑا اور بنیادی مسئلہ دہشت گردی کا ہے جو اس وقت ریاست پاکستان کے لیے ایک ناسور کی حیثیت اختیار کرگیا ہے۔ گزشتہ ۱۰ برسوں میں پاکستان میں سینکڑوں خودکش دھماکے ہوچکے ہیں، دہشت گردی کے خاتمہ کے لیے فوج، پولیس اور سیکیورٹی ادارے سرگرم ہوچکے ہیں لیکن خودکش بمبار ہیں کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہے۔

’’مئی ۲۰۱۳ میں برٹش کونسل نے پاکستان نوجوانوں کے جذبات، احساسات اور خیالات کا ایک سروے کیا ہے، جس سے ملک کے عوام اور خصوصیات سے نوجوان نسل کی مایوسیوں اور امیدوں کا عکس دیکھا جاسکتا ہے۔ ایک نوجوان نے ملک وقوم کی موجودہ کیفیت کی عکاسی بڑے دردبھرے الفاظ میں کچھ اس طرح کی ہے کہ: آزادی سے پہلے ہم ایک قوم تھے اور ایک ملک کی تلاش میں تھے۔ لیکن آج ایک ملک ہے۔ مگر قوم مفقود ہے۔‘‘(۱۰)

یہ وہ بڑے مسائل ہیں کہ جن کی وجہ سے آج ریاستِ پاکستان کے تین بڑے اداروں سیاست، معیشت اور معاشرت میں نظم وضبط کا شدید فقدان نظر آتا ہے۔

آج پاکستانی عوام کو ایسے حکمرانوں کی ضرورت ہے جو ’’سیدالقوم خادمھم‘‘(۱۱) کی حدیث کے مصداق ذاتی مفادات سے بالا تر ہوکر ملک وقوم کے اجتماعی مفاد کے لیے کمربستہ ہوجائیں جو اپنے پیٹ پر پتھر باندھ کر عوام النّاس کو ضروریاتِ زندگی فراہم کریں اور جو سیاست کو عبادت سمجھ کر اپنے فرائض انجام دیتے ہوں جو صرف عوام النّاس کو قانون اور نظم وضبط کے دائرے میں پابند نہ رکھیں بلکہ خود بھی قانون کی بالادستی کو تسلیم کرتے ہوئے اپنے اوپر قانون کو لاگو کریں۔ تو ’’النّاس علی دین ملوکھم‘‘ (۱۲) کے مصداق عوام النّاس بھی قانون کی پابندی اور نظم وضبط کے دائرے میں رہیں گے۔ بقول الوزیرالمغربی۔ ’’حاکم کی مثال رعایا کے لیے ایسی ہی ہے جیسی کہ اعضاء کی بدن کے لیے، جب کبھی اعضاء بیماری یا کسی اور سبب سے اپنا کام چھوڑ دیتے ہیں تو پورے بدن میں اضطراب پیدا ہوجاتا ہے۔‘‘(۱۳) الغرض اسلامی جمہوریہ پاکستان کے لیے اصل ماڈل اور نمونہ صرف مدینہ منوّرہ کی وہ اسلامی ریاست اور معاشرہ ہے جو نبی اکرم ﷺ کی قیادت میں قائم ہوا اور چودہ سو سال سے مسلمانوں کے لیے روشنی کا مینار اور اجتماعی زندگی کے لیے نمونہ ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

اسلامی ریاست میں عوام النّاس کو نظم وضبط کا پابند رکھنے کے طریقے:

تعلیم اسلام کے مطابق اسلامی ریاست ایک عادلانہ نظام پر مبنی ریاست ہے جس میں اصل اقتدار اعلیٰ ذاتِ الٰہی کو حاصل ہے۔ اور انسان خلیفۃ اللہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ دینِ اسلام کا یہ امتیاز ہے کہ اس نے ریاست وسلطنت کو عبادت بنادیا ہے۔ اوران حکام کو جو ریاست کے کاموں کو قانونِ الٰہی کے مطابق انجام دیں گے اور عوام النّاس کے بنیادی حقوق میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کریں گے۔ ’’ظل اللہ‘‘ کے منصب پر سرفراز فرمایا: ارشادِ نبوی ﷺ ہے۔ ’’السّلطان ظل اللہ فی الارض یاوی الیہ کل مظلوم من عباداللہ۔(۱۴) سلطان زمین میں اللہ کے امن کا سایہ ہے جس کے دامن میں بندگانِ الٰہی میں سے ہر مظلوم پناہ لیتا ہے۔‘‘

اسلامی ریاست کا یہ فرض ہے کہ وہ عوام النّاس کی مادی اور روحانی ضروریات کی تکمیل کرتے ہوئے ان کی

ایسے نہج پر تربیت و تنظیم کرے کہ وہ معاشرہ کے مفید اور کارآمد شہری بن سکیں۔''اسلام اپنی روحانی اولاد کو نظم وضبط، سلیقہ مندی اپنے ہر حکم میں سکھاتا ہے۔تاکہ ان کے رگ وریشے میں نظم وضبط پیدا ہوجائے اسلام کا ہر حکم صرف ضابطے اور قوانین نہیں دیتا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ نظم وضبط کی تعلیم بھی دیتا ہے تاکہ یہ نظم وضبط اسلام کی اس روحانی اولاد کے رگ وپے میں پیوست ہوجائے۔''(۱۵) نبی اکرم ﷺ نے ہجرت مدینہ سے قبل ہی بیعتِ عقبہ کے موقع پر امّت کی تنظیم کا کام شروع کردیا تھا اور ان نقیبوں کے لیے فرمایا تھا۔''انتم کفلاء علی قومکم۔''(۱۶) بقول احمد عجاج کرمی۔''وھذا الکفالة کانت توجب علی ھؤلاء ان یحافظوا علی انضباط قومھم والتزامھم بمبادی الدین الجدید۔''(۱۷) اور خود نبی اکرم ﷺ نے اپنے متعلق فرمایا۔وأنا کفیل علی قومی۔(۱۸)

اسلامی ریاست میں عوام النّاس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے لیے دو بنیادی طریق کار اختیار کیے جاتے ہیں۔

(۱)نظم وضبط کی پابندی بذریعہ تزکیہ اخلاق وتعمیر سیرت

(۲)نظم وضبط کی پابندی بذریعہ قانون

(۱) عوام النّاس کو نظم وضبط کی پابندی بذریعہ تزکیہ اخلاق وتعمیرِ سیرت

اسلامی ریاست کی مضبوطی واستحکام کے لیے ضروری ہے کہ افرادِ امّت کے تزکیہ نفس اور تعمیرِ شخصیت کے لیے ٹھوس بنیادوں پر کام کیا جائے۔ افراد کی تربیت وتطہیر کے بغیر ریاست کے اجتماعی نظم کو قائم نہیں رکھا جاسکتا۔ صرف قوانین کا نفاذ ہی معاشروں کی تطہیر نہیں کرتا بلکہ مسلسل تربیت اور رہنمائی کے ذریعہ ہی عوام کو نظم وضبط کا پابند بنایا جاسکتا ہے۔منظّم اور صالح افراد نہ صرف اسلامی ریاست کی اساس ہوتے ہیں بلکہ اس کے استحکام کا ذریعہ بھی بنتے ہیں۔اسلامی ریاست میں عوام النّاس کو نظم وضبط کا پابند رکھنے کے لیے درج ذیل اصولوں کی بنیاد پر ان کا تزکیہ نفس اور تربیت کرنا ضروری ہے:۔

(۱) ایمانیات کے ذریعے نظم وضبط کی پابندی:

(الف) اعتصام باللہ:

انسان کی انفرادی واجتماعی زندگی کے تمام معاملات کی بنیاد''اعتصام باللہ''(۱۹) پر ہے۔ جتنا یہ تعلق مضبوط اور پائیدار ہوگا اتنا ہی ایک مسلمان کی زندگی منظّم اور قانونِ الٰہی کی پابند ہوگی۔ انسانی تنظیم کی یہ بنیاد قرآنِ کریم کی درج ذیل آیت سے معلوم ہوتی ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ هُوَ مَوْلَاكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ۔(۲۰)

آیت مذکورہ کے تحت نعیم صدیقی لکھتے ہیں۔''خدا سے یہ تعلق وہ مضبوط ترین رشتہ ہے، جسے تھام لینے کے

بعد زندگی تباہ کن ٹھوکروں سے بچ جاتی ہے۔خیالات کی آوارگی و پریشانی، جذبات کی بے راہ روی اور اعمال کی بے ربطی کا پوری طرح ازالہ ہوجاتا ہے۔حقیقت کے اس مرکزی نکتے کے گرد فرد کی ساری قوتیں اور تمدن کی جملہ سرگرمیاں منظّم ومرتّب ہوجاتی ہیں۔اورنظم وترتیب کے فقدان میں کوئی حسن نہیں پیدا ہوسکتا۔ایک صحیح نظام تعلیم کا کام یہ ہے کہ وہ انسانیت کواس عروۃ الوثقٰی تک لائے اور خدا پرستی کے رشتہ محکم کوتھامنے کی صلاحیت دے۔اسلامی نظامِ تعلیم کی یہ اساسی ذمہ داری ہے کہ وہ بندوں کو خدا کے سامنے سرِتسلیم خم کردینا اورخم کیے رکھنا سکھائے۔'' (۲۱) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکی زندگی سے لے کر مدنی زندگی میں وفات تک صحابہ کرامؓ میں اعتصام باللہ،توکل علی اللہ،خشیت الٰہی اورحبّ الٰہی جیسے اوصاف پیدا کرنے اور ان کے ذریعے سے ان میں الفت ومحبت پیدا کرکے اورانہیں اخوّت ووحدت کی لڑی میں پرودیا۔

اسلامی ریاست عوام النّاس کومنظّم کرنے اور انفرادی واجتماعی زندگی کے تمام شعبہ حیات میں نظم وضبط کا پابند رکھنے کے لیےتعلق باللہ ایک اساسی کلیہ ہے۔سورۃ ال عمران میں بھی تعلق باللہ کی اہمیت ان الفاظ میں بیان کی:

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ م بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ق لَاانْفِصَامَ لَهَا۔(۲۲)

(ب)اعتصام بالقرآن:

قرآن کریم وہ صحیفہ ہدایت ہے جس میں امّت مسلمہ کی انفرادی واجتماعی زندگی کی تنظیم وتربیت کے تمام اصول موجود ہیں۔اسلامی ریاست کے مقتدرِ اعلیٰ نے قرآن کریم میں حکام اورعوام دونوں کے حقوق وفرائض کاتعین کردیا ہے۔درحقیقت ان حقوق وفرائض کی بہترین ادائیگی ہی اسلامی ریاست میں نظم وضبط کے استحکام کی ضامن ہے۔یہی وہ دستورِحیات ہے جس کی پیروی سے امّت مسلمہ کا عروج وابستہ ہے۔

ارشادِنبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔''انّ اللہ یرفع بھذا الکتاب اقواماً ویضع بہ آخرین۔'' (۲۳) پروفیسر خورشید احمد قرآن کریم کی اسی طاقت کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:۔

> قرآن نے اس امّت کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی بھی صورت گری کی ہے۔اور اسے باقی انسانیت کے لیے خیر وصلاح کا علمبردار بنایا ہے، یہی وہ چیز تھی جس نے چھٹی صدی عیسوی کی ظلم اور تاریکی سے بھری ہوئی دنیا کو تاریخ کے ایک نئے دور سے روشناس کرایا۔جس نے عرب کے اونٹ چرانے والوں کوانسانیت کا حدی خواں بنایا۔جس نے ریگستان کے بدوؤں کوتہذیب وتمدّن کا معمار بنادیا۔جس نے مفلسوں اور فاقہ کشوں میں سے وہ لوگ اٹھائے جوانسانیت کے رہبر بنے

۔جس نے وہ نظام قائم کیا جس نے طاغوت کی ہر قوت سے ٹکر لی۔ اور اسے مغلوب کر ڈالا۔ قرآن طاقت کا ایک خزانہ ہے اس نے جس طرح آج سے ڈیڑھ ہزار سال پہلے انسانوں کی اصلیت بدل کر رکھ دی تھی اور ان کے ہاتھ سے ایک نئی دنیا تعمیر کرائی تھی۔ اسی طرح آج بھی فساد سے بھری ہوئی دنیا کو تباہی سے بچا سکتا ہے۔ اپنے ماننے والوں کو بشرطیکہ وہ اس کا حق ادا کر سکیں۔ انسانیت کا رہنما اور تاریخ کا معمار بنا سکتا ہے۔(۲۴)

آج بھی ریاستِ پاکستان کے استحکام اور بقاء کے لیے قرآن کریم ہی ضابطہ حیات اور منظّم قوم کا ضامن ہے۔ قائداعظم نے ۱۹۴۵ء میں عید کے موقع پر فرمایا تھا:۔

بہ جز ان لوگوں کے جو بے خبر ہیں، ہر شخص آگاہ ہے کہ قرآن مجید مسلمانوں کا ہمہ گیر و بالاتر اور مکمل ضابطہ حیات ہے۔ مذہبی بھی، معاشی و معاشرتی بھی، دیوانی بھی، فوجداری بھی، تجارتی بھی، عدالتی بھی اور تعزیری بھی۔ یہ ضابطہ زندگی کی ایک ایک چیز کو باقاعدگی اور ترتیب عطا کرتا ہے۔(۲۵)

(ج) اعتصام بالسّنّۃ:۔

تیسری اہم چیز جس کی طرف رجوع، رجوع الی اللہ اور رجوع الی الکتاب کا لازمی تقاضا ہے وہ سنّت رسول اللہ ﷺ ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے نبوّت پر سرفراز ہونے کے بعد اللہ کے نائب کی حیثیت سے کتاب ہدایت کے اصولوں کی روشنی میں امّت کی تنظیم و تربیت کر کے اسلامی ریاست کی تشکیل فرمائی۔ امّت کی تربیت و تنظیم میں سنّت نبویہ ﷺ کے کردار کے حوالے سے مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں۔ ’’قرآن کی تعلیم اور محمد ﷺ کی سنّت پر جو معاشرہ اسلام کے آغاز میں پہلے دن قائم ہوا تھا۔ وہ اس وقت سے آج تک مسلسل زندہ ہے۔ اس کی زندگی میں ایک دن کا انقطاع بھی واقع نہیں ہوا ہے۔ اور اس کے تمام ادارے اس ساری مدّت میں پیہم کام کرتے رہے ہیں۔ آج تمام دنیا کے مسلمانوں میں عقائد اور طرزِ فکر، اخلاق و کردار، عبادات اور معاملات، نظریہ حیات اور طریقِ حیات کے اعتبار سے جو گہری مماثلت پائی جاتی ہے۔ جس میں اختلاف کی بہ نسبت ہم آہنگی کا عنصر بہت زیادہ موجود ہے۔ جو ان کو تمام روئے زمین پر منتشر ہونے کے باوجود ایک امّت بنائے رکھنے کی سب سے بڑی بنیادی وجہ ہے۔ یہی اس امر کا کھلا ہوا ثبوت ہے کہ اس معاشرے کو ایک سنّت پر قائم کیا گیا اور وہ سنّت ان طویل صدیوں کے دوران میں مسلسل جاری رہی ہے۔ یہ کوئی گم شدہ چیز نہیں ہے جسے تلاش کرنے کے لیے ہمیں اندھیرے میں ٹٹولنا پڑ رہا ہو۔‘‘(۲۶)

الغرض اعتصام باللہ، اعتصام بالقرآن اور اعتصام بالسنۃ یہ تین ایسے بنیادی عقائد ہیں کہ جن کو مضبوطی

سے تھامنے والے لوگ امّت وسط اور خیر امّت کے دائرے میں آجاتے ہیں۔ انہی کی بنیاد پر وہ وحدت واخوّت کے بے مثال رشتے میں بندھ جاتے ہیں۔قرآن کریم نے ان کے حسن تعلق کو''رحماء بینھم'' کے الفاظ میں بیان کیا ہے۔

(د) آخرت کی جوابدہی کا تصوّر:۔

اسلامی ریاست کی یہ ذمّہ داری ہے کہ نہ صرف خود میں بلکہ وہ عوام النّاس میں بھی محاسبہء آخرت کا احساس پیدا کرے۔ یہ وہ احساس ہے کہ جس کی بناء پر افراد وقتی مفادات واغراض کی بجائے اللہ کی رضا اور خوشنودی کو منتہائے مقصود بنالیتے ہیں۔ اسی خشیت کی بناء پر ہی حکام کا رعایا کا استحصال کرنے اور ان پر ظلم وجور کرنے سے باز رہتے ہیں۔ اسی احساس کی بناء پر وہ عوام النّاس کو ضروریاتِ زندگی کی فراہمی سے غافل نہیں رہتے۔ بلکہ اسلامی ریاست کا ہر طاقتور فرد کمزور فرد کے لیے تقویت کا باعث بنتا ہے۔محاسبہ آخرت کے اعتبار سے آپ ﷺ نے حکمرانوں کو یہ نصیحت فرمائی کہ۔''قیامت کے روز اللہ کو سب سے زیادہ محبوب اور اس کے زیادہ قریب عادل حکمران ہوگا۔اور سب سے زیادہ مبغوض اور اس سے زیادہ دور ظالم حکمران ہوگا۔'' (۲۷)

اسی کے ساتھ ساتھ عوام النّاس کو یہ ہدایت فرمائی۔

"عن عبداللہ عمر قال النبی ﷺ السّمع والطاعة علی المرء المسلم فیما احبّ وکرہ مالم یؤمر بمعصیة فاذاامر بمعصیة فلا سمع ولا طاعة۔"(۲۸)

یعنی''امراء کی بات سننا اور ماننا مسلمان پر فرض ہے جب تک کہ اسے گناہ کرنے کا حکم نہ دیا گیا ہو، جب گناہ کا حکم دیا جائے تو پھر نہ سننا جائز ہے اور نہ ماننا جائز ہے۔''

''عام سلطنتوں کا اصول یہ ہے کہ وہ سلاطین وحکام اور سلطنت کے عمال کے قول وفعل کو قانون کے سلسلوں سے جکڑ دیتی ہے کہ وہ حق وعدل کے خلاف نہ کرسکیں۔لیکن اسلامی حکومت کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے حکمرانوں اور عاملوں کے دلوں پر اپنا قبضہ بٹھاتی ہے۔ تاکہ تقوی اور آخرت کے مؤاخذہ کے خوف اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کے جذبہ سے حق اور عدل کے خلاف نہ کرسکیں۔عام حکومتیں ہر روز اپنے قانون کی لاچاری اور بے اثری کو دیکھ کر دوسرا قانون بناتی ہیں۔ پھر تیسرا اور چوتھا قانون۔ پھر اسی طرح ہر قسم کی برائیوں کی روک تھام کے لیے مسلسل قانون بناتی رہتی ہیں۔ اور مجرم اس کو اپنی چالاکی اور ہوشیاری سے برابر توڑتے رہتے ہیں۔ اور سلطنت کا مقصود حاصل نہیں ہوتا۔اس کے برخلاف اسلام کی سلطنت اگر اصول اسلام کے مطابق ہوتو صرف اللہ کا تقوی اور آخرت کے مؤاخذہ کا ڈر ان کے دل کی کجی اور دل کی ہر برائی کو قطعاً ختم کردیتا ہے۔'' (۲۹) اسلامی ریاست میں حکمران اور عوام کی یکساں حقوق وفرائض کی انجام دہی ہی نظم وضبط کی ضامن ہے۔محاسبہء آخرت کا خوف فرائض کی انجام دہی

میں معین ومددگار ثابت ہوتا ہے۔

(۲) نظامِ عبادات کے ذریعہ نظم وضبط:

اسلامی ریاست میں عوام النّاس کے اجتماعی نظم کی تشکیل میں اسلام کے نظامِ عبادات کو بہت اہمیت حاصل ہے۔کوئی عبادت ایسی نہیں جس میں اجتماع کا پہلو موجود نہ ہو۔علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں۔'' **فبالقیام بالصلوٰۃ والزکاۃ والصبر یصلح حال الراعی والرعیۃ۔**(۳۰)''نماز زکوۃ اور صبر کے قیام سے حاکم اور رعایا دونوں کے احوال درست ہوتے ہیں۔'' اسلام کے نظامِ عبادات کا سب سے پہلا رکن نماز ہے۔نماز دین اسلام کا ستون ہے اورخالق ومخلوق کے مابین تعلق کی گرہ ہے۔ باجماعت نماز میں نظامِ وحدت کا اصول کارفرما ہے۔تمام نمازیوں کا ایک ہی وقت میں ایک ہی صف میں کھڑے ہوکر ایک ہی طرح کے اعمال وافعال کو سرانجام دینا اجتماعی نظم کی ایک شکل ہے۔

آنحضرتﷺ نے اس کے متعلق غزوہ تبوک کے موقع پر فرمایا۔ ''الصلوۃ جامعۃ''(۳۱) جس کا معنی یہ ہے کہ نماز اجتماع کو بروئے کار لانے والی ہے۔ ہر نظامِ اجتماعی کے لیے دلوں کا جمع ہونا ضروری ہے اور نماز اس کا ایک ذریعہ ہے۔اس میں صف بندی ضروری ہے اور مسلمانوں کو یہ حکم ہے۔''استووا ولا تختلفوا۔''(۳۲) صفوں کو برابر کرو اور باہم اختلاف نہ کرو۔وقت کی پابندی منظّم معاشروں کی ایک امتیازی خصوصیت ہے۔اس کے ذریعہ سے افرادِ معاشرہ کو نظم وضبط کے دائرہ میں رکھنا آسان ہوجاتا ہے۔اسلامی ریاست کی ذمّہ داری ہے کہ وہ عوام النّاس کو باجماعت نماز کا پابند بنائیں کیونکہ اس سے ان کے اوقات خود بخود منظّم ہوجاتے ہیں۔ وقت پر سونا اور وقت پر اٹھنا ان کے لئے ضروری ہوجاتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔''وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا۔''(۳۳) رات کو اللہ نے سونے اور آرام کرنے کے لیے بنایا ہے اور دن کو معاشی ذمّہ داریوں کو ادا کرنے کے لیے۔ کائنات میں اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ تمام مخلوق اسی الٰہی ضابطہ کی پابند نظر آتی ہے۔ چرند ہوں یا پرند تمام مخلوقاتِ ارضی صبح سویرے اٹھتی ہیں اور شام ہوتے ہی اپنے ٹھکانوں میں آرام کی غرض سے چلے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی ﷺ امّت مسلمہ کے لیے بھی یہی ضابطہ پسند فرمایا ہے۔ نبی اکرمﷺ نے رات کو نمازِ عشاء کے بعد بے کار باتیں کرنے سے اور قصہ کہانی سے منع فرمایا ہے۔(۳۴) نمازِ فجر سے مسلمانوں میں صبح خیزی کی عادت پیدا ہوجاتی ہے۔نماز کے بعد اسلامی عبادات کا دوسرا بڑا رکن زکوٰۃ ہے۔نظام زکوٰۃ کا نفاذ اسلامی حکومت کی ذمّہ داری ہے۔حضرت ابوبکر صدیقؓ نے زکوٰۃ ادا کرنے والوں کے خلاف جہاد بھی کیا تھا۔زکوٰۃ کا سب سے بڑا فائدہ نظامِ جماعت کا قیام ہے کہ جب ریاست کے مالدار افراد اپنے اموال کی زکوٰۃ سے ناداروں

کو مالی سرمایہ فراہم کرتے ہیں تو اس سے ان کے درمیان ہمدردی اور امداد باہمی کی فضا قائم ہوجاتی ہے۔جس سے افرادِ ریاست میں نظم وضبط اور اتحاد ویگانگت پیدا ہوجاتی ہے۔

روزہ اسلامی عبادات کا تیسرا رکن ہے۔اسلام نے سال کے ۱۲ مہینوں میں سے رمضان کا مہینہ روزوں کے لیے منتخب کیا۔مہینہ کی تخصیص کا یہ فائدہ ہے کہ تمام افرادِ امّت بیک وقت اس فرض کو ادا کرکے اسلام کے نظامِ وحدت کا مظاہرہ کریں۔اسلامی عبادات کا آخری رکن حج ہے۔جوکہ اسلامی تنظیم کی غیر معمولی مجسمہ تصویر ہے۔حج عوام النّاس میں مرکزیت اور اتحاد پیدا کرنے میں معاون ہوتا ہے۔

(۳) اخلاص وللّٰہیت:

اسلامی تعلیم کی رو سے ہر وہ عملِ صالح جو خاص اللہ کی رضا کے لیے سرانجام دیا جائے وہ عبادت ہے، عبادات میں اوّلین چیز دل کی نیت اور اخلاص ہے۔لہٰذا جو کام بھی سرانجام دیا جائے اس کا محرک کوئی دنیاوی غرض، ریاء ونمائش یا طلب شہرت نہ ہو اور نہ ہی انسان کی اپنی نفسانی خواہشات کا اس میں کوئی دخل ہو۔قرآن کریم کے سات موقعوں پر ''مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْن''(۳۵) آیا ہے۔نیز فرمایا۔''فَاعْبُدِ اللّٰہَ مُخْلِصًا لَّہُ الدِّیْنَ اَ لَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ''(۳۶) امام ابن تیمیہ نے حاکم کے لیے خاص طور پر تین امور کے اختیار کرنے کا ذکر کیا ہے۔ان میں سب سے پہلے اللہ کے لیے اخلاص اور اس پر توکل، دوم مخلوق کے ساتھ احسان کا رویہ، سوم مخلوق کی ایذاؤں اور دیگر آزمائشوں پر صبر۔

(۴) احساسِ ذمّہ داری:

اسلامی ریاست میں عوام النّاس کی اس نہج پر تعلیم وتربیت کی جائے کہ ہر فرد میں فرض شناسی اور احساس ذمہ داری کو اجاگر کیا جائے۔ جتنا یہ جذبہ زیادہ ہوگا اور اس میں اخلاص بھی ہوگا اتنا ہی لوگ اپنی ذمّہ داریوں کو ادا کریں گے تو خود بخود ہی ان میں ایک دوسرے کا احترام اور ریاستی اداروں میں نظم وضبط پیدا ہوگا۔اس کی تعلیم ہمیں درج ذیل فرمانِ نبوی ﷺ سے ملتی ہے۔

> ”الا کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیته فالامام الذی علی النّاس راع وھومسئول عن رعیته والرجل راع علی اھل بیته وھو مسئول عن رعیته المرأ ة راعیة علی اھل بیت روجھاوولدہ وھی مسؤلة عنھم وعبدالرجل راع علی مال سیدہ وھو مسئول عنه ۔ الا وکلکم راع وکلکم مسئوعن رعیته “(۳۷)

درج بالا حدیث میں اسلامی ریاست کے ہر فرد کو خواہ وہ کسی بھی حیثیت اور مرتبہ پر ہو، اس امر کا احساس

دلایا گیا ہے کہ اس سے اپنے ماتحت لوگوں کے بارے میں روزِ قیامت باز پرس ہوگی ۔ ہر فرد انفرادی حیثیت سے اپنے منصب کے مطابق ذمہ دار ہے۔محترم ابن تیمیہ رقم طراز ہیں: ''حکومت ایک بہترین تنظیم ہے جس کا ذمّہ دار اعلیٰ بہترین ہوتا ہے۔حکومت کی مضبوط عمارت کے دو محکم ستون ہیں ۔قوت اورامانت۔'' (۳۸) حکومت کو طاقتور ہونا چاہئے ۔ اور حکومت کو ان ذمّہ داریوں کا پابند ہونا چاہئے۔ جو خدا اور خدا کے بندوں کی امانت کے طور پر اس کے ساتھ وابستہ ہیں۔عصر حاضر میں عوام النّاس کے اندر اسی شعور واحساس کو پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ عہدِ نبوی ﷺ کا نظامِ سلطنت احساسِ ذمہ داری کے اسی اخلاقی اصول پر قائم تھا۔ ہر فرد سلطنت کے احکام کی پابندی اسی احساس کے تحت کرتا تھا۔ٹیکسوں کی ادائیگی اور وصولی بغیر کسی جبر واکراہ کے ذمّہ داری سمجھ کر کی جاتی تھی۔ روایات میں آتا ہے کہ ہر قوم اور قبیلہ کے لوگ خود آ کر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں صدقات زکوۃ وغیرہ ادا کیا کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں عبداللہ بن ابی اوفی سے روایت ہے:

''کان رسول الله اذا أتاه قوم بصدقتهم قال اللهم صل على آل فلان، فاتاه ابى بصدقة فقال اللهم صل على ال ابى اوفى۔'' (۳۹)

حضرت عدی بن حاتم قبیلہ طے کے سردار تھے اور ان کو تمام قوم کی طرف سے چوتھا حصہ ملتا تھا۔ جب وہ اسلام لائے تو سب سے پہلے انہی نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اپنے قبیلے کا صدقہ پیش کیا۔صحیح مسلم کی روایت ہے کہ ایک بار عدی بن حاتمؓ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے ان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ان ''أول صدقة بیضت وجہ رسول اللہ ﷺ ووجوہ اصحابہ صدقۃ طی جئت بھا۔'' (۴۰) یعنی پہلا صدقہ جس کی خوشی سے آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کا چہرہ چمک اٹھا، قبیلہ طے کا صدقہ تھا جس کو تم لے کر آئے تھے۔قبیلہ بنو تمیم جب اپنا صدقہ لے کر آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا۔''صدقات قومنا'' (۴۱) یہ ہماری قوم کا صدقہ ہے۔صدقات ٹیکسوں کی ادائیگی کا یہ ذمہ دارانہ رویہ صرف قبائل اور قوموں میں ہی نہ تھا بلکہ انفرادی طور پر ہر فرد کی یہی حالت تھی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا بیان ہے کہ ''جب آنحضرت ﷺ نے صدقہ کا حکم دیا تو ہم لوگ بازاروں میں جا کر بوجھ ڈھوتے تھے اور اس سے جو مزدوری ملتی تھی اس کو لا کر صدقہ میں دیتے تھے۔'' (۴۲) ہر فرد بشر میں ذمہ داری کا یہ احساس ریاست کے نظم وضبط میں استحکام کا باعث بنتا ہے۔عصرِ حاضر میں بھی عوام النّاس کے اندر اسی احساسِ ذمہ داری کو پیدا کرنے کی ضرورت ہے جس کی تعلیم ہمیں اسوۂ نبوی ﷺ سے ملتی ہے۔

(۵) جذبہ خیر خواہی:

خیر خواہی کا جذبہ ایک ایسی اخلاقی صفت ہے جو عوام النّاس کے باہمی تعلقات کی مضبوطی اور پائیداری میں

ممد ومعاون ہے۔ ایک موقع پر نبی اکرم ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا:۔''الدّین النصیحۃ'' صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول کس سے خیر خواہی۔فرمایا اللہ سے، اوراس کی کتاب سے اور اس کے رسول سے، اور اہل ایمان کے آئمہ سے اور ان کے عام لوگوں سے۔'' (۴۳) جہاں تک عوام النّاس سے خیر خواہی کا تعلق ہے تو وہ یہ ہے کہ اسلامی ریاست اپنے عوام کو ان کے بنیادی حقوق کی فراہمی میں تغافل نہ برتے، ان پر ظلم نہ کرے، اور دین ودنیا کے کاموں میں ان سے تعاون کرے۔ جو امام یا حاکم اپنی رعایا کے ساتھ خیر خواہی کا سلوک نہیں کرتا۔ نبی اکرم ﷺ نے اس کے لیے یہ وعید فرمائی۔ما من أمير يلى أمير المسلمين ثم لا يجهد لهم و ينصح الا لم يدخل معهم الجنة۔ (۴۴) جب بھی کوئی شخص مسلمانوں کا امیر بنتا ہے پھر وہ ان کے لیے کوشش نہیں کرتا اور نہ ہی خیر خواہی کرتا ہے تو وہ جنّت میں داخل نہیں ہوگا۔''

جہاں تک حکام کے ساتھ خیر خواہی اور حسن سلوک کا تعلق ہے تو وہ یہ ہے کہ بھلائی اور نیکی کے کاموں میں ان سے تعاون کیا جائے۔اوران کی اطاعت کی جائے ۔غلط کاموں اور رویّوں پر ان کی تنبیہ کی جائے۔

(۶) تفویض مناصب بلحاظِ اہلیت:۔

اسلامی ریاست کے مختلف انتظامی شعبوں کو چلانے کے لیے حکومت مختلف مناصب قائم کرتی ہے اور عوام النّاس میں سے مختلف افراد کو منتخب کرکے ان مناصب پر فائز کرتی ہے۔ ریاست کو فساد وبدامنی اور افتراق انتشار سے محفوظ رکھنے کے لیے لازم ہے کہ حکومت بہترین اور موزوں اشخاص کی تقرری کرے۔عوام النّاس میں نظم وضبط کی پابندی رکھنے کا یہ ایک اصول اور طریقہ ہے۔قرآن پاک اور احادیث نبویہﷺ میں اس کے متعلق واضح تعلیمات موجود ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا(۴۵)

مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں۔''اس سے معلوم ہوا ہے کہ حکومت کے عہدے اور منصب جتنے ہیں۔ وہ سب اللہ کی امانتیں ہیں۔جس کے امین وہ حکام اور افسر ہیں جن کے ہاتھ میں عزل ونصب کے اختیارات ہیں۔ان کے لیے جائز نہیں کہ کوئی عہدہ کسی ایسے شخص کے سپرد کردیں جو اپنی عملی اور علمی قابلیت کے اعتبار سے اس کا اہل نہیں۔ بلکہ ان پر لازم ہے کہ ہر کام اور عہدے کے لیے اپنے دائرہ حکومت میں اس کے مستحق کو تلاش کریں۔ پوری اہلیت والا سب شرائط کا جامع کوئی نہ ہو تو موجود لوگوں میں قابلیت اور دیانت داری کے اعتبار سے جو سب سے زیادہ فائق ہو اس کو ترجیح دی جائے۔'' (۴۶)

نبی اکرم ﷺ نے اہلیت کی اہمیت کے تذکرہ میں فرمایا:۔''جس وقت امانت ضائع کردی جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔ پوچھا گیا کہ امانت کا ضائع کرنا کس طرح ہوگا۔آپ ﷺ نے فرمایا جب کام نااہل لوگوں کے سپرد

کر دیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔'' (۴۷)

(۷) نظامِ احتساب کا قیام:

حاکم کا یہ فریضہ ہے کہ وہ عمال اور وزراء کی کارکردگی کا وقتاً فوقتاً جائزہ لیتا رہے۔حسن کارکردگی پر ان کی حوصلہ افزائی وستائش کرے اور غلطیوں پر ان کو متنبہ کرے۔ حاکم کا یہ حق ہے کہ کسی عہدہ دار کو بددیانتی، خیانت میں ملوث ہونے کی صورت میں اسے معزول کر دے۔

سیرتِ رسول ﷺ کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ ریاستِ مدینہ میں صیغہ احتساب بھی قائم تھا ۔ نبی اکرم ﷺ نے عمال اور حکام کی تربیت اور محاسبے کا خاص خیال رکھا۔چنانچہ ایک بار آپ نے ابن الأ تبیۃ کو صدقہ وصول کرنے کے لیے روانہ فرمایا۔ جب وہ واپس آئے اور آپ ﷺ نے ان کا محاسبہ کیا تو انہوں نے کہا یہ آپ کا مال ہے اور یہ مجھے ہدیتاً ملا ہے۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم کو گھر بیٹھے بیٹھے ہدیہ کیوں نہیں ملا۔اس پر بھی تسکین نہ ہوئی تو ایک عام خطبہ دیا اور تمام لوگوں کو اس قسم کے مال لینے سے سختی کے ساتھ ممانعت فرمائی۔ (۴۸) ناپ تول میں کمی اور دھوکا دہی اور ملاوٹ کے ضمن میں تاجروں کے لیے احکامات دیئے ۔آپ ﷺ خود بھی بازاروں کی نگرانی کرتے تھے اور کوئی غلط کام دیکھتے تو فوراً سرزنش فرماتے ۔ایک بار آپ ﷺ بازار کے معائنے کے لیے تشریف لے گئے وہاں ایک صاحب گندم فروخت کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے گندم کے ڈھیر میں ہاتھ ڈالا تو انگلیوں کو نمی محسوس ہوئی ۔ آپ ﷺ نے فرمایا: گندم والے یہ کیا ہے؟ ان صاحب نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ گندم رات کی بارش میں بھیگ گئی تھی ۔آپ ﷺ نے فرمایا۔اس گیلی گندم کو اوپر کیوں نہیں رکھا۔اور فرمایا جس نے دھوکے بازی کی وہ ہم میں سے نہیں۔ (۴۹)

(۸) عوام النّاس کو بنیادی حقوق کی فراہمی:

اسلامی ریاست عوام النّاس کی جان و مال اور عزت وآبرو کی حفاظت کی ذمّہ دار ہے۔ ایسا معاشرہ جس میں ہر فرد کو اپنی جان و مال اور عزت کا خطرہ لاحق رہتا ہو وہاں انتشار وافتراق اور بدنظمی کا پیدا ہونا ایک فطری امر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر یہ حکم فرمایا تھا''فان دماء کم و اموالکم واعراضکم حرام الی ان تلقوا ربکم۔ ''(۵۰) بلاشبہ تمہاری جان و مال اور آبرو ایک دوسرے کے لیے اسی طرح محترم ہے جس طرح آج کا یہ دن ہے۔ایک اور موقع پر فرمایا۔کل المسلم علی المسلم حرام دمه وماله وعرضه (۵۱) ''مسلمان کی ہر چیز مسلمان پر حرام ہے اس کا خون بھی، اس کا مال بھی اور اس کی آبرو بھی۔''

الغرض سیاسی انتظام کرنا اور امّت کے اجتماعی نظم کو قائم رکھنا امام کا حق ہے۔ اور ریاستِ عامہ کا ہر فرد اس

نظم کے ماتحت اپنی خوشی سے رہتا ہے۔ اور اپنی قوت کو امام کے ہاتھ میں دے دیتا ہے۔تا کہ سیاسی نظم اپنی پوری طاقت اورغلبہ کے ساتھ باقی رہے۔''حقوقِ عامہ کی نگہداشت، سوسائٹی کے اختلافات کی اصلاح، ظلم اور زیادتی کا مداوا امام کی سیاسی ذمہ داریوں میں داخل ہیں۔'' (۵۲) سیاسی حقوق میں سے ایک اہم چیزعوام النّاس کوفوری عدل وانصاف فراہم کرنا ہے۔ ایسی ریاست جس میں عوام النّاس پر کیے گئےظلم کا مداوا نہ ہوسکے اور انہیں انصاف نہ مل سکے اور وہ مقدمات کے شکنجوں میں کئی کئی برس جکڑے رہیں تو ردّعمل کے طور پرعوام میں غصہ، نفرت اور اشتعال انگیزی کے جذبات کا پیدا ہونا لازمی امر ہے۔ یہی وہ عوامل ہیں جو ریاستی نظم وضبط میں بگاڑ اور فساد کا باعث بنتے ہیں۔ لہٰذا عوام النّاس کوفوری انصاف کی فراہمی اسلامی ریاست کا اوّلین اور بنیادی فرض ہے۔

اسلامی ریاست عوام النّاس کے معاشی حقوق کی بھی ذمّہ دار ہے۔حکومت اقتصادی نظام کے ذریعے ایسا معاشی توازن پیدا کرے کہ تمام افرادِ معاشرہ کو ان کی بنیادی ضروریاتِ زندگی یعنی گھر، کپڑا، کھانا اور صاف پانی کی فراہمی میسر ہوسکے۔ اسلامی ریاست کا بیت المال خاص طور پر ان شہریوں کا ذمّہ دار ہے جو وسائلِ زندگی سے محروم اور بے روزگار ہیں۔ اسلامی ریاست کا یہ فریضہ ہے کہ وہ زکوٰۃ، صدقات اور عشر کا ایسا نظام قائم کرے جس سے معاشرہ کے محروم طبقہ کی معاشی ضروریات کی تکمیل ہوسکے۔ ارشاد ربّانی ہے۔وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّاۗىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ۔(۵۳) ''اور ان کے مالوں میں سائل اور محروم لوگوں کا حصہ ہے۔''مولانا حامد الانصاری لکھتے ہیں۔''اسلامی نقطہ نگاہ سے دو باتیں زیادہ قابلِ لحاظ ہیں۔ (۱) تمام خلق اللہ کا کنبہ ہے اور تمام انسان اللہ کے نزدیک برابر ہیں۔ اب وہ اونچے طبقہ کے ہوں یا نیچے طبقہ کے۔ اللہ ان کا پروردگار اور فرمانروا ہے اور وہ اس کے بندے اور رعایا ہیں۔ الخلق کلھم عیال اللہ۔فالناس شریفھم ووضیعھم فی ذات اللہ سواء اللہ ربھم وھم عبادہ۔ اسلامی حکومت معاشی زندگی کے دائرہ میں ان دونوں باتوں کا لحاظ رکھنے پر مامور ہے۔ اللہ کے کنبے کا کوئی فرد کھانے، کپڑے اور مکان وغیرہ سے محروم نہ رہے۔ اور اللہ کے بندوں میں سب کو انسانیت کے عام حقوق میں برابر کا سمجھا جائے۔ اگر اسلامی حکومت اس کا خیال نہیں رکھے گی تو انسانیت کے بلند درجہ سے گرجائے گی۔'' (۵۴)

جس طرح مسلم رعایا کی جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت کرنا اور انہیں بنیادی معاشی ضروریات فراہم کرنا اسلامی ریاست کا فرض ہے۔ اسی طرح غیرمسلم رعایا کا تحفظ اور معاشی سہولیات فراہم کرنا بھی اسلامی ریاست کی ذمّہ داری ہے۔

الغرض اسلامی ریاست کی حدود میں امن ونظم کا قیام، امن کے بعد امن کی بقا اور استحکام حکمرانوں کی ذمہ داری ہے، قرآن حکیم میں بیت اللہ کے متعلق کہا گیا ہے، یہ پہلا ایوان ہے انسانیت عامّہ کے لیے اس کے حلقہ میں

جو انسان داخل ہوتا ہے اس کے لئے امن ہے۔اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ۔وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا۔(۵۵) حضرت ابراہیمؑ نے دعا کی تھی۔ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ۔(۵۶) قرآن کریم نے جس خوشحالی اور امن کا تذکرہ ہے۔عہد نبوی ﷺ کی حکومت اس کا عملی نمونہ تھی۔

(۹) معمولاتِ زندگی میں نظم وضبط اور تہذیب وشائستگی کی تربیت:

مہذب ریاستوں کے عوام میں معمولاتِ زندگی میں تہذیب وشائستگی نظر آتی ہے۔جس کے لیے وہ ان آداب وقواعد کو اختیار کرتے ہیں جو متمدّن زندگی کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔سیرت النبی ﷺ کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے امّت مسلمہ کی تہذیب وتربیت کے لیے معمولاتِ زندگی میں ایسے آداب کو ملحوظ رکھنے کی ہدایت فرمائی ہے جن کے اپنانے سے انسان مہذب، شائستہ اور باوقار بن جاتا ہے۔اورس کی زندگی منظّم ومنضبط ہوجاتی ہے۔

تہذیب وشائستگی کے امور میں سے سب سے اہم چیز طہارت وصفائی ہے جس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ''الطهور شطر الايمان''(۵۷) صفائی نصف ایمان ہے۔بحیثیت مسلمان ہر فرد کو اپنے کپڑے، اپنا گھر، گلیاں اور محلّوں کو صاف رکھنا، نیز جہازوں، ریل گاڑیوں اور پبلک مقامات پر موجود غسل خانوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرنا اور صاف کرنا لازم ہے۔اس مقالہ میں تمام آداب کو بیان کرنا دشوار ہے۔مشت نمونے ازخروارے کے طور پر چند اہم آداب درج ذیل ہیں۔

☆ کھانا کھانے کے سلسلہ میں تہذیب وشائستگی کی تربیت کے لیے فرمایا کہ کھانا اپنے سامنے سے کھانا چاہئے اور برتن میں ادھر ادھر ہاتھ نہیں بڑھانا چاہئے۔(۵۸)

☆ انسان کی بعض حرکات وسکنات تہذیب وشائستگی کے خلاف ہوتی ہیں جنہیں دیکھ کر دوسرے لوگوں کو ناگواری محسوس ہوتی ہے۔مثلاً جمائی لینا، اسی لیے آپ ﷺ نے تلقین فرمائی ہے کہ''جب تم میں سے کوئی جمائی لے تو اپنے منہ کو بند کرلے کیونکہ شیطان اس کے منہ کے اندر گھس جاتا ہے۔''(۵۹)

☆ مجلس میں انگڑائی اور ڈکار لینا بھی تہذیب ووقار کے منافی ہے۔حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں ان حدیثوں کو نقل کیا ہے کہ''آپ ﷺ جمائی اور انگڑائی نہیں لیتے تھے۔''(۶۰)

☆ ڈکار کے متعلق سنن ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ آپ ﷺ کے سامنے ایک شخص نے ڈکار لی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی ڈکار کو روکو۔کیونکہ جو لوگ دنیا میں بہت زیادہ پیٹ بھر لیتے ہیں وہ آخرت میں سب سے

زیادہ بھوکے رہیں گے۔(۶۱) اس حدیث سے ضمناً ڈکار کی کراہت بھی ثابت ہوتی ہے۔

☆ مجلس میں تہذیب ووقار کی شکل پیدا کرنے کے لیے فرمایا کہ کوئی شخص مجمع کو چیر کر آگے بیٹھنے کی کوشش نہ کرے بلکہ جہاں جگہ مل جائے وہیں بیٹھ جائے۔صحابہ کرام ؓ رسول اللہ ﷺ کی مجلسوں میں اسی طرح بیٹھتے تھے۔(۶۲)

☆ راستے کے آداب سے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''ایاکم الجلوس والطرقات۔صحابہ نے عرض کیا ہماری مجبوری ہے کہ ہم محفل جماتے ہیں اور آپس میں گپ شپ کرتے ہیں۔آپ ؐ نے فرمایا اگراتنی مجبوری ہے تو راستے کا حق ادا کرو۔صحابہ ؓ نے پوچھا راستے کا حق کیا ہے؟فرمایا نظروں کو جھکا کر رکھو، تکلیف دہ چیز کو دور کرو، سلام کا جواب دو اور امر بالمعروف ونھی عن المنکر کا فریضہ ادا کرو۔''(۶۳)

یہ حدیث ٹریفک کے نظام میں نظم وضبط کی پابندی اختیار کرنے پر دلالت کرتی ہے۔ہمارے ملک پاکستان میں ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی معمولی چیز بن گئی ہے حدیث کے الفاظ میں ''کف الأ ذی'' یعنی تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ایک جامع کلمہ ہے۔چنانچہ گاڑی چلاتے وقت غلط انداز میں اوورٹیکنگ کر کے دوسرے کو تکلیف پہنچانا، ٹریفک سگنلز کی خلاف ورزی کرنا، خوامخواہ ہارن بجاتے رہنا، جارحانہ انداز میں گاڑی چلانا، گاڑی کو غلط جگہ پارک کرنا، سرکاری زمینوں پر ناجائز تجاوزات قائم کرنا یہ سب چیزیں کفّ الأ ذی کے تحت آتی ہیں۔مولانا تقی عثمانی نے غلط پارکنگ کو دینی اعتبار سے گناہ قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ ''ہماری فقہ کی قدیم کتابیں اس زمانے میں لکھی گئی ہیں جب خودکار گاڑیوں کا رواج نہیں تھا اور سفر کے لیے عموماً جانور استعمال ہوتے تھے۔اس لئے ٹریفک کا نظام اتنا پیچیدہ نہیں تھا۔ جتنا آج ہے۔اس کے باوجود ہمارے فقہائے کرام نے سڑکوں پر چلنے اور گاڑیوں کے ٹھہرانے کے بارے میں شرعی احکام کی تفصیل نہایت شرح وبسط کے ساتھ بیان کی ہے۔اور اس سے اسلامی تعلیمات کی ہمہ گیری کا بھی اندازہ ہوتا ہے اور اس بات کا بھی کہ اسلام میں نظم وضبط اور حقوق العباد کی کتنی اہمیت ہے۔اس کا تقاضا یہ ہے کہ بحیثیت مسلمان ہمارا نظم وضبط اور ہماری تہذیب وشائستگی مثالی ہو۔''(۶۴)

پاکستان میں عوامی جگہوں پر جہاں اجتماع یا جلسہ وغیرہ ہو یا کسی چیز کا حصول ہو تو عوام النّاس میں بے چینی، اضطراب اور بھگدڑ سی مچ جاتی ہے بلکہ کئی ایک سیاسی جلسوں میں اس طرح کی بھگدڑ سے اموات بھی واقع ہوتی ہیں۔ دینِ اسلام ایسے مواقع پر نظم وضبط کے اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہے۔نبی اکرم ﷺ خود ایسے مواقع پر صحابہ کرام ؓ کو نظم وضبط اور سکون کی تلقین فرماتے تھے۔حجۃ الوداع کے موقع پر میدانِ عرفات میں آپ ﷺ نے خطبہ سے فارغ ہوکر ظہر اور عصر کی نماز اکٹھے ادا کی۔غروبِ آفتاب کے قریب آپ ﷺ نے وہاں سے چلنے کی تیاری کی۔حضرت

اسامہ بن زیدؓ کو اونٹ پر پیچھے بٹھالیا۔ آپ ﷺ ناقہ کی زمام کھینچے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ اس کی گردن کجاوے میں آکر لگتی تھی۔ لوگوں کے ہجوم سے ایک اضطراب سا پیدا ہوگیا تھا لوگوں کو دستِ راست اور بخاری میں ہے کہ کوڑہ سے آپ ﷺ اشارہ کرتے جاتے تھے کہ ''آہستہ آہستہ'' اور زبان مبارک سے ارشاد فرما رہے تھے۔السکینة یاایھاالناس السکینة یاایھاالناس (۶۵) حضور اکرم ﷺ کے ارشاد سے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جماعت میں شامل ہوتے وقت بھی وقار واطمینان کا لحاظ رکھا جائے۔ بھاگ دوڑ نہ کی جائے۔حدیث کے الفاظ ہیں۔وعلیکم بالسکینة فما ادرکتم فصلّوا۔ (۶۶) ''سکون ووقار اختیار کرواور جتنا حصہ نماز سے مل جائے اسے ادا کرو۔'' دینِ اسلام تو جنگوں میں بھی تہذیب وشائستگی اورنظم وضبط سکھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمان مجاہدین کی تعریف ان الفاظ سے کی ہے۔اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیۡنَ یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمۡ بُنۡیَانٌ مَّرۡصُوۡصٌ ''۔(۶۷)

۲ہجری غزوہ بدر کے موقع پر پہلی مرتبہ باقاعدہ صف بندی عمل میں لائی گئی تھی۔آنحضرت ﷺ ایک نازک لکڑی کے اشارے سے صف بندی فرماتے تھے اور ہر سپاہی کو حکم تھا ''استووا'' (۶۸) یعنی برابر رہو۔اللہ تعالی نے قرآن کریم میں قلم کی قسم کھائی ہے ۔اس سے دینِ اسلام میں تحریر وکتابت کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔ احادیث سے تحریر وکتابت میں نفاست اور صفائی کے اصول بھی ملتے ہیں۔ مثلاً کاغذ کو موڑنے سے پہلے اس کی سیاہی کو ریگ ڈال کر خشک کرلو،(۶۹) حرف ''س'' کے شوشے برابر دیا کرواور اس کو شوشوں کے بغیر نہ لکھا کرو۔'' (۷۰) لکھتے ہوئے اگر کچھ رکنا پڑے تو کاتب کو چاہئے کہ قلم اپنے کان پر رکھ لے کیونکہ اس سے لکھوانے والے کی زیادہ آسانی سے یاددہانی ہوجاتی ہے۔'' (۷۱) حصولِ تعلیم کے سلسلہ میں صحابہ کرامؓ کا نظم وضبط مثالی تھا۔ روایات میں آتا ہے کہ صحابہ کرامؓ مجلس نبوی ﷺ میں اس طرح خاموش ہوکر بیٹھتے تھے گویا کہ ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہوں۔ (۷۲)

(۱۰) عوام النّاس کی فکروذہنیت کی اصلاح ودرستگی:

افراد کی مثبت فکر اور ذہنیت مہذب اور شائستہ معاشروں کی عکاسی کرتی ہے۔ دین اسلام اپنے ماننے والوں میں مثبت فکروسوچ کی آبیاری کرتا ہے۔ یہ فکر ہر فرد معاشرہ کو اپنے فرائض کی ادائیگی کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ اس کا اصل مسئلہ حقوق کے حصول کی بجائے فرائض کی ادائیگی بن جاتا ہے۔ اگر یہ فکر معاشرے میں عام ہوجائے تو سب کے حقوق خود بخود ادا ہوجائیں گے اور حق تلفیوں کی شرح گھٹتی جائے گی۔کوئی شخص پورے معاشرے کے مزاج کو نہیں بدل سکتا۔لیکن وہ خود اپنے مزاج کو تبدیل کرسکتا ہے۔ایک اور خرابی جو ہمارے معاشرے میں رواج پکڑ چکی ہے وہ یہ کہ اصلاحی عمل کا آغاز دوسرے سے ہو یہ اس وجہ سے کہ ایک انسان کو دوسرے لوگوں میں نقائص عیوب اور

اعمال واخلاق کی خرابیاں تو نظر آتی ہیں۔لیکن خود اپنے اعمال واخلاق پر اس کی نظرنہیں ہوتی۔ ہر شخص کو اصلاح کا آغاز خود سے کرنا چاہیئے۔اسلام اس ضمن میں یہ اصول دیتا ہے۔ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۔(۷۳)''اے ایمان والوخود اپنی خبرلو اگرتم ہدایت کے راستہ پر ہوتو جو لوگ گمراہ ہیں وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔''

اسی طرح بعض لوگ دوسروں کے برے اعمال کو اپنی بداعمالیوں کے لیے جواز بنا لیتے ہیں۔ یہ چیز بڑھتی بڑھتی معاشرے کا مزاج بن جاتی ہے۔ہمارے پاکستانی معاشرے میں جہیز ایسی خرابیاں جوعوام کا اجتماعی مزاج بن گئی ہیں۔مثلاً رزق کا ضیاع گھروں میں دعوتوں اور شادی بیاہ کے موقع پر کھانے کا ضیاع عوام النّاس کا وطیرہ بن چکا ہے۔ حالانکہ آنحضرت ﷺ نے وضو کرتے وقت پانی احتیاط کے ساتھ خرچ کرنے کی اس قدر تاکید فرمائی ہے کہ آپ نے فرمایا:''پانی کو فضول خرچ کرنے سے بچو، خواہ تم کسی بہتے ہوئے دریا کے پاس کھڑے ہو۔''(۷۴)

قومی وسائل اور دولت کا ضیاع بھی اس قوم کا مزاج بن چکا ہے۔بجلی کی شدید قلّت اور لوڈ شیڈنگ کے باوجود جہاں بجلی اور گیس میسر ہو وہاں اس کا بے محابا اور بے دریغ اور غیرضروری استعمال بھی ہماری قوم کا اجتماع مزاج بن گیا ہے۔اسی طرح سے بغیر کرائے کی ادائیگی کے سفر کرلینا، بجلی کے سرکاری کھمبوں سے کنکشن لے کرمفت بجلی کا استعمال جیسی چیزیں گھٹیا قسم کی چوری کے زمرے میں آتی ہیں۔ضرورت اس بات کی ہے کہ عوام النّاس میں ایسی سوچ اور ذہنیت پیدا کی جائے کہ وہ چھوٹے جرم کا ارتکاب کرنے سے بھی اس طرح ڈرے جیسا کہ وہ بڑے اور سنگین جرائم کے ارتکاب سے ڈرتا ہے۔دیواروں پر اشتہارات اور پوسٹرز لگانا، سرکاری زمینوں پر ناجائز تجاوزات قائم کرلینا، سڑکوں پر جگہ جگہ کوڑا کرکٹ پھینک دینا، ایسی عادات ہیں جن سے کسی بھی قوم کی تہذیب وشائستگی اور نظم وضبط کے بارے میں برا تاثر قائم ہوتا ہے۔

(ب)   عوام النّاس کو نظم وضبط کی پابندی بذریعہ قانون:۔

نبی آخر الزمان ﷺ کی سیرت طیبہ کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کے تزکیہ نفس اور تعمیرِ سیرت کے ذریعے ایک ایسا اسلامی معاشرہ قائم فرمایا جس کی ہر چیز اخلاقِ صالحہ پر مبنی تھی۔ اسلامی ریاست کی ساری خوشی وخوشحالی اور امن وامان اس اخلاق کی بدولت ہے۔اسلامی ریاست اوّلین تعلیم، تربیت اور تلقین کے تمام ذرائع استعمال کرتے ہوئے عوام النّاس کو قانونِ الٰہی کا پابند بناتی ہے۔اس کے باوجود اگر کوئی فرد یا گروہ الٰہی قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے سنگین جرائم کا مرتکب ہو مثلاً دوسروں کے حقوق غصب کرنا۔ دوسروں کی چیز ناحق لینا، چوری کرنا، ڈاکہ ڈالنا، دوسروں کی عزت وآبرو کو پامال کرنا اور قتل کرنا جیسے جرائم تو پھر اسلامی

ریاست، ریاستی قوت اور عدالتی اداروں کے ذریعے ان افراد کو سخت ترین سزائیں دیتی ہے تاکہ نہ صرف مجرم بلکہ دوسرے افرادِ معاشرہ بھی ان جرائم سے باز رہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قانون کی طاقت کے استعمال کا تذکرہ درج ذیل آیتِ مبارکہ میں فرمایا ہے۔لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ۔(۷۵) ''اور ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ان پیغمبروں کے ساتھ کتاب اتاری اور ترازو، تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں اور ہم نے لوہا اتارا جس میں سخت ہیبت ہے اور لوگوں کے لئے کئی فائدے ہیں۔'' سید سلیمان ندوی آیت مبارکہ کے تحت لکھتے ہیں:۔

''اس آیت پاک میں عدل کے قیام اور ظلم کی روک تھام کے لیے تین چیزیں ارشاد فرمائی گئی ہیں۔ایک کتاب یعنی احکامِ الٰہی کا مجموعہ، دوسری چیز وہ فطری صحیح وعادلانہ میزان جو ہر صداقت شعار دل میں دھری ہے اور جس پر انسانی قانون کی بنیاد کھڑی ہے اور تیسری چیز تلوار کی طاقت ہے۔ جو ان دونوں کے ماننے پر ان کی گردنیں جھکا دیتی ہے۔یعنی جو احکامِ الٰہی کے ماننے سے منکر ہیں اور جو اپنی فطرت کی صحیح میزان عدل کو توڑ چکے ہیں ان کو پھر طاقت کے زور سے قانون کے ماننے پر مجبور کیا جاتا ہے، یہ آہنی آلہ جس کے ایک ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اس کا نام حکومت وریاست ہے اور اس کے دوسرے ہاتھ میں قانونِ الٰہی کی کتاب بھی ہونی چاہئے جس کے ماننے پر وہ اپنے ماتحتوں کو مجبور کرے۔'' (۷۶)

حضرت عثمانؓ کا قول ہے۔ ان الله ليزع بالسلطان مالايزع بالقرآن۔(۷۷) ''اللہ تعالیٰ حکومت کے ذریعے برائیوں کا جو سدّ باب کرتا ہے وہ اس سے بہت زیادہ ہے جو قرآن کے ذریعے کرتا ہے۔'' مولانا گوہر رحمٰن کے مطابق:۔

''اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کے علم اور اس کے مواعظ اور دلائل سے بعض لوگ تو متاثر ہو کر ازخود گناہوں سے رک جاتے ہیں لیکن بعض سنگدل لوگ اس سے اثر قبول نہیں کرتے مگر حکومت چونکہ سزائیں دیتی اور اس کے پاس مادی قوت بھی ہوتی ہے اس لئے سزاؤں کے خوف سے اکثر لوگ جرائم سے رک جاتے ہیں۔'' (۷۸)

دنیا کی باقی تمام اقوام میں تمام جرائم کی سزاؤں کو تعزیرات کا نام دیا جاتا ہے۔لیکن شریعتِ اسلامیہ میں جرائم کی سزاؤں کی تین قسمیں قرار دی گئی ہیں۔حدود، قصاص، تعزیرات۔ کچھ جرائم ایسے ہیں کہ جن سے انسان مخلوقِ الٰہی کو تکلیف اور ضرر پہنچتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی بھی ہوتی ہے۔ان میں حق اللہ اور حق العبد دونوں شامل ہوتے ہیں۔اور انسان دونوں کا مجرم بنتا ہے، جن جرائم کی سزائیں قرآن وسنّت نے متعین کردی ہیں۔ وہ دو قسم کی ہیں۔

(۱) حدود ان سزاؤں میں حق اللہ غالب ہے۔حدود صرف پانچ ہیں۔ڈاکہ، چوری، زنا، تہمت زنا یہ سزائیں قرآن سے ثابت ہیں۔ پانچویں شراب خوری کی حد ہے، جو اجماع صحابہ کرام سے ثابت ہوئی ہے۔حکمرانوں کو ادنیٰ تغیّر وتبدل کی بھی اجازت نہیں۔

(۲) قصاص اس میں حق العبد غالب ہے۔

وہ جرائم جن کی کوئی سزا قرآن وسنّت نے متعین نہیں کی بلکہ حکام کی صوابدید پر رکھا ہے۔ان سزاؤں کو شریعت کی اصطلاح میں تعزیرات کہا جاتا ہے۔ان میں حکام کو اختیارات ہیں۔ یہ سزائیں سخت بھی ہوسکتی ہیں۔ہلکی بھی اور معاف بھی کی جاسکتی ہیں۔

گوکہ حدود کی سزائیں عام طور پر سخت ہیں ۔لیکن جرم کے ثبوت کی شرائط بھی نہایت کڑی رکھی گئی ہیں۔ اگر ان شرائط میں سے کوئی ایک شرط بھی مفقود ہوتو حد ساقط ہوجاتی ہے۔ بلکہ ادنیٰ سا شبہ بھی ثبوت میں پایا جائے تو حد ساقط ہوجاتی ہے۔ اسلام کا مسلّم قانون حدود کے سلسلہ میں یہ ہے کہ ’’**الحدود تندرء بالشبھات**‘‘ (۷۹) یعنی تکمیل جرم کی شرائط اور ثبوت میں کمی ہونے کی صورت میں حد شرعی تو ساقط ہوجاتی ہے لیکن حاکم مجرم کو تعزیری سزا ضرور دے گا۔ تکمیل جرم اور تکمیل ثبوت کی صورت میں مجرم کو نہایت عبرت انگیز سزا دی جاتی ہے۔تاکہ سزا کی ہیبت سے باقی لوگ بھی ارتکابِ جرائم سے باز رہیں۔ چوری کی سزا کے سلسلہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔**نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ**۔(۸۰) اسی طرح زنا کا ارتکاب کرنے والوں کے بارے میں فرمایا۔**وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ**۔(۸۱) ’’یعنی اللہ کی حدود جاری کرنے میں ان مجرموں پر ہرگز ترس نہ کھانا چاہیئے۔‘‘ حدود اللہ انسدادِ جرائم، امنِ عامہ اور اجتماعی نظم کی پائیداری کی ضامن ہیں۔ پروفیسر خورشید احمد لکھتے ہیں:

’’سعودی عرب میں جہاں حدود وقوانین کو ٹھیک ٹھیک نافذ کیا گیا ہے۔ جرائم میں غیر معمولی کمی واقع ہوئی ہے۔ اور آج بھی یونیسکو کی رپورٹوں کے مطابق سعودی عرب میں جرائم کا تناسب دنیا میں سب سے کم ہے، جبکہ بھارت اور مغربی ممالک میں جہاں کوئی حدود وقوانین موجود نہیں زنا بالجبر نے سوسائٹی کی چولیں ہلا رکھی ہیں۔‘‘(۸۲)

ابن عابدین حدوداللہ کی حکمت کے بارے میں تحریر کرتے ہیں۔لأنها شرعت لمصلحة تعود الى كافة النّاس من صيانة الانساب والأموال والعقول والأمراض وهو الأنزجار عما يتضرر به العباد من أنواع الفساد۔(۸۳) ’’حدود اللہ تمام انسانوں کی مصلحتوں کی خاطر مشروع کی گئی ہیں۔جن میں نسب، مال، عقل اور عزت وآبرو کی حفاظت شامل ہے۔اور یہ لوگوں کو فساد کی ان تمام صورتوں سے روکتی ہے جن سے بندوں کو نقصان

پہنچتا ہے۔''

اسلامی تعلیمات کی رو سے کسی ریاست کے خلاف جنگ کا اعلان کرنے کا حق کسی فرد یا کسی جماعت اور گروہ کو نہیں ہے یہ ریاست اور حکومت کا کام ہے۔ اسی طرح حدود وتعزیرات قائم کرنا بھی ریاست اور حکومت کے ذمّے ہے۔ اگر کوئی فرد یا گروہ خود سے چور کے ہاتھ کاٹنے لگے یا زنا کار کو سنگسار یا کوڑے لگانے لگے تو پورے معاشرے میں انتشار اور فساد برپا ہو جائے گا۔

جہاں تک پاکستان میں حدود وقوانین کے نفاذ کا تعلق ہے تو صورتحال نہایت مخدوش ہے۔ یہ حدود وقوانین پاکستان میں صدر جنرل ضیاء الحق کے دور میں اسلامی نظریاتی کونسل کے زیرِ اہتمام مرتب ہوئے اور ان کے نفاذ کی عملی کوشش بھی کی گئی۔ بعدازاں یورپی یونین کے دباؤ کی وجہ سے حکومتِ پاکستان نے قصاص کی سزا کو معطل کردیا تھا۔ لیکن ۱۶ دسمبر ۲۰۱۴ء کو دہشت گردوں کے ہاتھوں ۱۳۴ اسکول کے معصوم بچوں کا سفاکانہ قتل ایسا اندوہناک واقعہ تھا جس نے پوری قوم کو غم واندوہ میں مبتلا کردیا۔ چنانچہ حکومتِ پاکستان نے دوبارہ اس سزا کو بحال کردیا ہے۔ ۱۱۶پریل ۲۰۱۶ء کے روزنامہ جنگ کی ہیڈ لائن کے مطابق ''سزائے موت کی بحالی سے سنگین جرائم میں 28.5 فی صد کمی واقع ہوئی۔ ۱۶ دسمبر ۲۰۱۴ کو پشاور میں آرمی پبلک سکول پر حملہ کے بعد حکومت نے سزائے موت پر پابندی ختم کرنے کا فیصلہ کیا نتیجتاً ۲۰۱۵ کے دوران قتل کے مقدمات میں ۲۰۱۴ کے مقابلے میں 28.5 فی صد کمی واقع ہوئی۔''

قصاص اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور انسانیت کے لیے زندگی کا ضامن ہے۔**ولکم فی القصاص حیوۃ یاولی الالباب**۔ (۸۴) اسی طرح ۱۵ نومبر ۲۰۰۶ء کو ''تحفظ نسواں بل'' کے نام پر ''انہدام حدوداللہ'' کے ایک قانون کو بھی منظور کیا گیا تھا۔ قرآن وسنّت کی رو سے زنا بالرضا کی طرح زنا بالجبر بھی حد ہے۔ لیکن اس قانون کے ذریعے حدود وقوانین کی دفعہ ۶ اور ۲ کو منسوخ کرکے زنا بالجبر کی حد کو ختم کیا جا رہا ہے۔ حدود وقوانین کی دفعہ ۴ اور ۵ جنہیں باقی رکھا گیا ہے ان کا تعلق صرف زنا بالرضا سے ہے اور زنا بالجبر ان کے دائرے سے باہر ہے۔ بلکہ دریدہ ذہنی کی انتہا ہے کہ اس قانون کے مقاصد کی تشریح کرتے ہوئے دعویٰ کیا گیا ہے۔ ''زنا بالجبر کے جرم کے لیے حد نہیں ہے اس کے لیے تعزیر ہے۔'' یہ قرآن وسنّت کے خلاف اتہام اور ایک جرم عظیم ہے۔ اور اللہ سے بغاوت کے مترادف ہے۔ (۸۵)

حدوداللہ کے معاملے میں کسی حکومت حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ کو بھی تخفیف یا معافی کا اختیار نہیں تھا۔ عہد نبوی ﷺ سے لے کر مغربی استعمار تک تمام ممالیک اسلامیہ میں حدود وقوانین پر عمل ہوتا رہا۔ مولانا مناظر احسن

گیلانی لکھتے ہیں۔''حالانکہ اور کچھ ان بادشاہوں کے عہد میں تھا یا نہ تھا۔لیکن قانون جہاں تک میں جانتا ہوں ہر زمانے میں،مسلمانوں کی کسی حکومت کا کسی ملک میں کوئی قانون اسلام کے سوا نافذ نہ رہا۔مسلمانوں کے ہاتھ میں دنیا کی سیاست کی باگ ڈور جب تک رہی اسلامی قانون کے ساتھ اس کی وفاداری مسلسل رہی۔''(۸۶)

سلاطینِ دہلی کے بارے میں مولانا سعید احمد اکبر آبادی لکھتے ہیں۔''مسلمان بادشاہوں کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ ان میں جو بادشاہ متقی اور پرہیز گار تھے وہ تو خیر اسلامی شعائر وحدود کا احترام کرتے ہی تھے ان کے علاوہ جو سلاطین عشرت پسند اور لذت کوش ہوتے (باستثنا معدودے چند) وہ بھی اسلامی احکام کا احترام ملحوظ رکھنے میں کسی سے کم نہ تھے۔نیز عدالتوں کے فیصلے قرآن وحدیث کی روشنی میں ہوتے تھے۔''(۸۷)

کسی بھی ریاست میں عوام النّاس میں اجتماعی نظم وضبط پیدا کرنے اور انہیں داخلی انتشار اور بدامنی سے محفوظ رکھنے کے لیے اسلامی ریاست کے ذمّہ عوام النّاس کے پانچ حقوق کی ادائیگی ضروری ہے۔ (۱)تحفظ دین (۲) تحفظ جان (۳) تحفظ عزت وعصمت (۴) تحفظ نسلِ انسانی (۵) تحفظ مال

اسلامی قانون اور حدوداللہ کا اطلاق حکمران طبقہ اور عوام دونوں پر ہوتا ہے۔حاکم جو کچھ چاہے وہ کرنے کے لیے آزاد نہیں۔ بلکہ وہ خود ایک قانون کا پابند ہے۔اس کی ذمّہ داری صرف یہ ہے کہ اس قانون کو نافذ کرے۔ یہی قانون خود اس کے اوپر بھی قائم ہوتا ہے۔اور یہی تمام مسلمانوں پر بھی۔قانونی مساوات کی مثال ہمیں سیرت طیّبہ سے ملتی ہے۔مشہور روایت ہے کہ ایک مرتبہ قبیلہ بنی مخزوم کی فاطمہ نامی عورت نے چوری کی۔ چونکہ اس کا تعلق ایک معزز قبیلے سے تھا لہٰذا صحابہ کرامؓ نے حضرت اسامہ بن زید کو نبی اکرم ﷺ کے پاس سفارش کے لیے بھیجا۔آپ ﷺ اس پر نہایت ناراض ہوئے اور فرمایا:۔تم سے پہلے بہت سی قومیں اسی وجہ سے ہلاک ہوئیں کہ جب ان میں کوئی معمولی آدمی چوری کرتا تو اس کو سزا دیتے اور اگر کوئی بااثر آدمی چوری کرتا تو اس سے درگزر کر جاتے نیز فرمایا۔والّذی نفسی بیده لو فاطمه فعلت ذالك لقطعت یدھا۔(۸۸) ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر فاطمہ بھی یہ کام کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔''الغرض اسلام کے نزدیک ہر شخص بلاامتیاز قانون کے سامنے جوابدہ ہے۔

تجاویز وسفارشات:

الغرض اسلام کے ہر حکم اور ہر قانون میں اس بات کی تعلیم ہے کہ مسلمان کی پوری زندگی نظم وضبط اور تہذیب وشائستگی کی عکاسی کرتی ہو۔ بدنظمی، بدانتظامی اور انتشار وافتراق کا اسلامی روح اور اسلامی زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔ جو کام بدنظمی اور بدانتظامی سے سرانجام دیا جائے تو اس کی ظاہری شکل بھی بگڑی ہوئی ہوگی اور محنت کے

مطلوبہ نتائج بھی مفقود ہوں گے۔ امّت مسلمہ اور بالخصوص پاکستانی عوام کو نظم وضبط کی پابندی کے لیے ریاست کو درج ذیل اقدامات بروئے کار لانا ہوں گے۔

۱) ریاست عوام النّاس کے لیے صحیح نظامِ تعلیم نافذ کرے۔ پاکستان میں بدنظمی کی ایک بڑی وجہ ناخواندگی اور جہالت بھی ہے۔ اسکول، کالج اور یونیورسٹی کی سطح تک ایسی تعلیم کا انتظام کیا جائے جس کا مقصد صرف ڈگری کا حصول ہی نہ ہو بلکہ عملی تربیت کے ذریعے طالب علموں کو نظم وضبط کی پابندی کا اس طرح خوگر کیا جائے کہ وہ آئندہ عملی زندگی کے ہر میدان میں نظم وضبط کی عکاسی کریں۔

۲) مسجد نہ صرف عبادت گاہ بلکہ امّت کی زندگی کا محور ومرکز اور مرکزِ تعلیم وتربیت تھی۔ ضروری ہے کہ مساجد میں ایسے بااخلاق وباکردار ائمہ کرام کا تقرر کیا جائے جن کے اندر عوام کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دینے کی اہلیت وصلاحیت موجود ہو۔

۳) خطبہ جمعہ اسلام کے نظامِ تعلیم وتربیت میں مرکزی اہمیت کا حامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نمازِ جمعہ کو واجب قرار دیا گیا ہے۔ ائمہ کرام خطبہ جمعہ کے ذریعہ عوام النّاس کی فکری وذہنی تطہیر کر سکتے ہیں۔ لیکن ضروری ہے کہ خطبہ میں صرف ایسی باتوں کی تعلیم دی جائے جو تمام مکاتبِ فکر کے ہاں مسلّمہ ہوں اس سے عوام النّاس میں فکری ہم آہنگی اور ملّی یکجہتی پیدا ہوگی اور فرقہ واریت اور تعصّب کا خاتمہ ہوگا۔

۴) ذرائع ابلاغ رائے عامہ کی تشکیل اور افکار واذہان کو مخصوص تہذیبی سانچے میں ڈھالنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ٹی وی اور کیبل پر بے مقصدیت، لغو اور لہولعب کی طرف مائل کرنے والے پروگراموں کی بجائے مثبت اور مقصد سے بھرپور پروگراموں کے ذریعے عوام النّاس کے اجتماعی مزاج، فکر اور ذہنیت کی آبیاری کرتے ہوئے انہیں عملی زندگی میں نظم وضبط اور سلیقہ مندی کی ایسی تربیت دی جائے کہ وہ گھر میں ہوں یا دفتر میں، مسجد میں ہوں یا بازار میں، شادی بیاہ کی تقریبات میں ہوں یا کسی اجتماع وغیرہ میں، ہر جگہ اور ہر موقع پر منظّم رہیں۔ آج امّت مسلمہ کی پس ماندگی اور بدحالی کی ایک بڑی وجہ نظم وضبط کا فقدان بھی ہے۔ ڈاکٹر علامہ یوسف القرضاوی کے الفاظ میں۔ ''یہ امر محال ہے کہ اللہ تعالیٰ سرگرم عمل لوگوں کے مقابلے میں کاہلوں کی اور متحد ومنظّم لوگوں کے مقابلے میں ان لوگوں کی مدد فرمائے جو انتشار کا شکار ہوں۔ یہ سنّت الٰہی کے خلاف ہے کہ وہ منظّم گروہ کے مقابلے میں پراگندہ حال لوگوں کی اور منصوبہ بند لوگوں کے مقابلے میں بے پرواہ لوگوں کا مددگار ہو یا اپنی ملّت کے غم میں فکرمند رہنے والوں کو چھوڑ کر وہ ان لوگوں کی مدد کو پہنچے جنہیں اپنے ذاتی مفاد کے سوا کسی چیز کی فکر دامن گیر نہیں ہوتی۔'' (۸۹)

حوالہ جات وحواشی

(۱) الانبیاء۲۱/۲۲

(۲) خورشید احمد، پروفیسر، نفاذ شریعت، اہمیت اور اقدامات، ترجمان القرآن، دسمبر ۲۰۱۵ء، صفحہ ۱۴

(۳) غلام حسین ذوالفقار، پاکستان تصوّر سے حقیقت تک۔ علاّمہ اقبال اور قائداعظم محمد علی جناح کے افکار وفرمودات کی روشنی میں، ص: ۳۴۷

(۴) ایضاً، ص: ۳۵۳

(۵) ایضاً، ص: ۳۵۴

(۶) ایضاً، ص: ۳۵۸

(۷) ایضاً، ص: ۳۰۹

(۸) عامر جمیل، سیاسی جماعتیں، تبدیلی اور نظم وضبط، روزنامہ جنگ، ۲۰۱۲/ ۸/ ۱۵

(۹) صفدر محمود، ڈاکٹر، دعوے اور حقیقت، روزنامہ جنگ، ۱۵ اپریل ۲۰۱۶ء، ص: ۹

(۱۰) خورشید احمد، پروفیسر، پاکستان کی بازیافت اور تعمیرِ نو کا تاریخی موقع، ترجمان القرآن، مئی ۲۰۱۳ء، ص: ۱۳

(۱۱) شعب الایمان، باب حسن الخلق، فصل فی ترک الغضب۔۔۔، ۸۰۵۰

(۱۲) ابن حجر، احمد بن علی العسقلانی، فتح الباری، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۳۷۹، ۷/۱۵۱

(۱۳) الوزیر المغربی، حسین بن علی (م ۴۱۸ھ)، رسالۃ ضمن "مجموع فی السیاسیه"، مؤسسۃ شباب الجامعہ الاسکندریہ، س۔ن، ۱/۴۹

(۱۴) ابن زنجویہ، حمید بن مخلد (م ۲۵۱ھ)، الاموال، مرکز الملك فیصل للبحوث والدراسات الاسلامیة، السعودیہ، ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء، باب ما یجب علی الامام من النصیحة لرعیته، ۳۲

(۱۵) عبدالستار، مولانا، Fahmedeen.org "Nazm o Zabt" 17/4/2015

(۱۶) ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، دار التراث، بیروت، ۱۳۸۷ھ، ۲/۳۶۳

(۱۷) احمد عجاج کرمی، الادارۃ فی عصر الرسول ﷺ، دار السلام، القاہرۃ، ۱۴۲۷ھ، ۱/۷۱

(۱۸) تاریخ الرسل والملوک، ۲/۳۶۳

(۱۹) امام غزالیؒ نے حکام کیلیے سب سے پہلے ایمان ہی کی تلقین فرمائی "ابتداء قاعدة الإعتقاد الّذی هو اصل الإیمان انّك مخلوق وهو خالق ." (غزالی، محمّد بن محمّد، أبو حامد (م 505:ه)، التبر المسبوك فی نصیحة الملوك،

دار الکتب العلمیۃ و بیروت، لبنان،۱۴۰۹ھ،۱/۹۱ ؛الوزیر المغربی لکھتے ہیں" :فأوّل سیاست الملك لنفسه استعمال تقوى الله تعالى ."(السیاسیۃ ۱/۴۵)

(۲۰) الحج ۲۲/۷۸

(۲۱) نعیم صدیقی، اسلام کی حکمتِ تعلیم وتربیت، ترجمان القرآن، مئی ۲۰۰۶ء

(۲۲) البقرۃ ۲/۲۵۶

(۲۳) صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب فضل من یقول بالقرآن ۔۔،۸۱۷

(۲۴) خورشید احمد، پروفیسر، رمضان،قرآن کریم اور ہماری ذمہ داری، ماہنامہ عالمی ترجمان القرآن، جون۲۰۱۵ء ، ص:۱۸،۱۷

(۲۵) پاکستان تصوّر سے حقیقت تک،ص:۳۵۷

(۲۶) مودودیؒ، ابوالاعلیٰ، سیّد، اسلامی ریاست، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، ستمبر ۲۰۰۸ء، ص:۳۰۵

(۲۷) سنن ترمذی، ابواب الاحکام، باب ما جاء فی الامام العادل،۱۳۲۹

(۲۸) صحیح بخاری، کتاب الاحکام، باب السمع والطاعۃلامام مالم تکن معصیۃ،۷۱۴۴؛ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب وجوب طاعۃ الامراء ،۱۸۳۹

(۲۹) سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم،۷/۸۲۴

(۳۰) ابن تیمیہ، السیاسۃ الشرعیۃ فی اصلاح الرّاعی والرّعیۃ،۱/۱۰۶

(۳۱) ابن کثیر،البدایۃ والنہایۃ،۵/۱۵

(۳۲) سنن ابن ماجہ، کتاب الصلوٰۃ، باب اقامۃ الصفوف،۹۹۴؛باب من یستحب ان یلی الامام،۹۷۶

(۳۳) النباء: ۷۸/۱۰

(۳۴) صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب ما یکرہ من السمر بعد العشاء ،۵۹۹

(۳۵) یونس:۱۰/۲۲

(۳۶) الزمر:۳۹/۳۰۲

(۳۷) صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضیلۃ الامام العادل،۱۸۲۹

(۳۸) السیاسۃ الشرعیۃ،۱/۱۲

(۳۹) صحیح بخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب صلاۃ الامام و دعائہ لصاحب الصدقۃ،۱۴۹۷

(۴۰) صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل غفار واسلم۔۔۔،۲۵۲۳

(۴۱) ایضاً،۲۵۲۵

(۴۲) صحیح بخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب اتقواالنار ولو بشق تمرۃ،۱۴۱۵

(۴۳) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان ان الدین النصیحۃ،۹۵؛ صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب قول النّبیﷺ الدّین النّصیحۃ،۵۷

(۴۴) صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضیلۃ الامام العادل۔۔۔،۱۴۲

(۴۵) النساء۴/۵۸

(۴۶) **محمّد شفیع، مفتی، معارف القرآن، ادارہ معارف کراچی، ۲۰۰۵ء،۲/۴۴۶**

(۴۷) صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب رفع الامانۃ،۶۴۹۶

(۴۸) صحیح بخاری، کتاب الاحکام، باب ھدایا العمّال،۷۱۷۴

(۴۹) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب من غشّنا فلیس منّا،۱۰۱،۱۰۲

(۵۰) صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب فضل استقبال القبلۃ،۳۹۱

(۵۱) صحیح مسلم، کتاب البر والصّلۃ، باب تحریم الظلم،۲۵۶۴

(۵۲) **تاریخ ابن خلدون، مقدمۃ**، باب حفظ الدّین وسیاسۃ الدّنیا،۱/۲۳۸،۲۳۹؛ **الماوردی، علی بن محمّد، ابوالحسن** (م:۴۵۰ھ)، الاحکام السلطانیۃ، **دارالحدیث القاہرۃ، س ن،۱/۴۰**؛ تسہیل النظر و تعجیل الظفر فی اخلاق الملک،۱/۱۶۸؛ **الفراء، قاضی ابویعلی، محمد بن الحسین** (م:۴۵۸ھ)، **دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان،۱۴۲۱ھ،۱/۲۷،۲۸**

(۵۳) الذّٰریات:۵۱/۱۹

(۵۴) **حامد الانصاری، مولانا، اسلام کا نظامِ حکومت، مکتبہ الحسن، لاہور، س ن، ص۴۰۲**

(۵۵) **آلِ عمران۳/۹۶**

(۵۶) **البقرۃ:۲/۱۲۶**

(۵۷) شعب الایمان، باب الصلاۃ،۲۵۴۸

(۵۸) صحیح بخاری، کتاب الاطعمۃ، باب الاکل ممایلیہ،۵۳۷۷

(۵۹) سنن ابوداؤد، کتاب الادب، باب ما جاء فی التثاؤب،۵۰۲۶۱

(۶۰) فتح الباری، کتاب الادب، باب اذا تثاء ب،۱۰/۶۱۳

(۶۱) سنن ابن ماجہ، کتاب الاطعمہ، باب الاقتصاد فی الاکل وکراھۃ الشبع،۳۳۵۰

(۶۲) البخاری، **محمّد بن اسماعیل** (م:۲۵۶ھ)، الادب المفرد بالتعلیقات، **مکتبہ المعارف للنشر والتوزیع،۱۴۱۹ھ**، باب یجلس الرجل حیث انتھی،۱۱۴۱

(۶۳) سنن ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی الجلوس فی الطرقات، ۴۸۱۵

(۶۴) تقی عثمانی، محمّد، مولانا، ذکر وفکر، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، فروری ۲۰۰۶ء، ص ۱۳۷، ۱۳۸

(۶۵) صحیح بخاری، کتاب الحج، باب امر النبی ﷺ بالسّکینة عند الافاضة و اشارته الیه بالسّوط، ۱۶۷۱

(۶۶) صحیح مسلم، کتاب الصّلاة، باب استحباب اتیان الصلوٰة بوقار و سکینة، ۲۴۳

(۶۷) الصّف ٤/٦١

(۶۸) البدایة والنهایة، ۳/۲۷۱

(۶۹) الکتانی، عبدالحئ، نظام الحکومة النبویة المسمّی به التراتیب الاداریه، داراحیاء التراث العربی، س ن، ۱/۱۲۹

(۷۰) ایضاً، ۱/۱۲۵

(۷۱) ایضاً، ۱/۱۲۵، ۲/۲۴۲؛ ڈاکٹر محمّد حمیداللہ ان احادیث کے متعلق لکھتے ہیں" :اگرچہ اوپر کی تینوں باتیں مجھے صحیح حدیثوں میں نہیں ملیں لیکن یہ ناممکن یا غیر معقول چیزیں نہیں ہیں"۔(عہد نبوی ﷺ میں نظامِ حکمرانی، ص:۲۵۲)

(۷۲) سنن ابو داؤد، کتاب الطب، باب الرجل یتداوی، ۴۵۸

(۷۳) المائدۃ:۵/۱۰۵

(۷۴) سنن ابن ماجه، کتاب الطهارة و سننها، باب ما جاء فی القصد فی الوضوء و کراهیة التقویٰ فیه، ص:۴۲۵

(۷۵) الحدید:۵۷/۲۵

(۷۶) سیرت النبی ﷺ، ۷/۳۹

(۷۷) محمّد بن علی بن الحسن القلعی، ابوعبداللہ، تهذیب الرّیاسة وترتیب السّیاسة، تحقیق :ابراہیم یوسف مصلغ، مکتبہ انمار الاردن، ۱/۹۵

امام الحرمین نے یہ قول حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ امام الحرمین، عبدالملک بن عبداللہ الجوینی(م:۴۷۸ھ)، الغیاثی غیاث الامم فی التیاث الظلم، تحقیق :عبدالعظیم الدیب، مکتبۃ امام الحرمین، ۱۴۰۱ھ، ۱/۲۴؛ جبکہ سراج الملوک کے مؤلف نے اسی قول کی نسبت صیغہ مجہول کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کی جانب کی ہے۔ دیکھیے۔ سراج الملوک، الباب الثامن عشر، فی منزلة السلطان من القرآن، ۱/۶۱

(۷۸) اسلامی سیاست، ص:۱۳۵

(۷۹) الحاکم، محمد بن عبد اللہ (م۴۰۵ھ)، معرفة علوم الحدیث، محقق :السید معظم حسین، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷ء، ۱/۱۳۹

(۸۰) المائدۃ:۵/۳۸

(۸۱) النور:۲/۲۴
(۸۲) خورشید احمد، پروفیسر، حدوداللہ کے خلاف اعلانِ جنگ، عالمی ترجمان القرآن، دسمبر ۲۰۰۶ء، ص:۱۵
(۸۳) ردّ المختار علی الدر المختار، ۴/۳۱
(۸۴) البقرۃ:۲/۱۷۹
(۸۵) حدوداللہ کے خلاف اعلانِ جنگ، عالمی ترجمان القرآن، دسمبر ۲۰۰۶ء، ص:۲۴
(۸۶) مناظر احسن گیلانی، مقالات احسانی، ص:۶۲، ۶۳ بحوالہ ترجمان القرآن، دسمبر ۲۰۰۶ء، ص:۱۱
(۸۷) سعید احمد اکبرآبادی، مسلمانوں کا عروج و زوال، ادارہ اسلامیات انارکلی، لاہور، اپریل ۱۹۸۳ء، ص:۳۶۵
(۸۸) صحیح بخاری، کتاب الحدود، باب اقامۃ الحدود علی الشریف و الوضیع، ۶۷۸۷، ۶۷۸۸
(۸۹) یوسف القرضاوی، علاّمہ، غلبہ اسلام کی بشارتیں، عالمی ترجمان القرآن، جولائی ۲۰۰۴ء، ص:۶۲

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆